دِلّی کی کہانی حویلیوں کی زبانی

(از جناب پروفیسر مشتاق احمد زاہدی)

کورو پانڈو سے لیکر شاہجہاں کے وقت تک دلی کے کتنے ہی شہر بسے اور برباد ہوئے۔ اُن کے کھنڈرات دلی دروازے سے چلکر مہرولی تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کھنڈرات پر اتنی طبع آزمائی ہو چکی ہے کہ ان کے متعلق کچھ لکھنا سعی لاحاصل ہوگی۔ لیکن شاہجہاں کی بنائی ہوئی دلی کی چاردیواری کے اندر بھی کچھ کھنڈرات ہیں جن کے متعلق بہت کم معلومات مہیا ہوتی ہیں۔ یہ کھنڈرات اب مُبدّل بہ تعمیر ہوگئے ہیں۔ لیکن یہ اُن پُرانی حویلیوں اور محلسراؤں کی نشانیاں ہیں جن کے اندر دلی والوں کے شاندار ماضی کی طویل داستانیں بند پڑی ہیں۔ اللہ اگر ان عمارتوں کو زبان دیدے تو وہ بتائیں کہ جہاں اب تنگ و تاریک مکانات اور محلے نظر آتے ہیں۔ یہاں بھی کیسے کیسے عالیشان اور پُرفضا محلات تھے اور اُن میں کیسے اولوالعزم اور صاحب جاہ و ثروت دلی والے آباد تھے۔ اور وہ کس شان و شوکت اور جاہ و جلال کی زندگی بسر کرتے تھے۔ مغلیہ سلطنت کے انحطاط کے زمانے میں یہ شہر تیمور اور نادر کی دستبرد سے نہ بچا۔ مگر اس گئے گذرے وقت میں بھی دلی والوں کی دولت و حشمت کا اندازہ اُس رقم سے ہو سکتا ہے جو محمد شاہ کے اہل دربار نے نادر کی بلا ٹالنے کے لئے فرداً فرداً نادر شاہ کو نذرانے میں پیش کی تھی۔ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

نقد از خزانہ شاہی ۸ کروڑ پچاس لاکھ۔ جواہرات از جواہر خانہ شاہی ۱۵ کروڑ۔ آلات طلائی ایک کروڑ پچاس لاکھ۔ تخت طاؤس و اسباب متفرق از خوشبو خانہ و باورچی خانہ و دور خانہ و فراشخانہ و آبدار خانہ ۱۵ کروڑ۔ میزان کل ۴۰ کروڑ

نقد از امراء و عمائدین شہر۔ آصف جاہ نظام الملک ۴ کروڑ۔ نواب ابو المنصور خاں صفدر جنگ ۴ کروڑ۔ ضبطی خانہ خان دوراں و مظفر خاں میر آتش ۲ کروڑ ستر لاکھ۔ وزیر الممالک قمر الدین خاں ایک کروڑ۔ لطف اللہ خاں صادق داروغہ جواہر خانہ ۹ لاکھ۔ نواب محمد خان بنگش ۲ لاکھ ۵۰ ہزار۔ رائے خوشحال چند پیشکار بخشی گری ۲ لاکھ ۵۰ ہزار۔ از متصدیان دفتر شاہی ۲ کروڑ۔ شیخ سعد اللہ دیوان تن ۳ لاکھ ۵۰ ہزار۔ راجہ ناگرمل دیوان خالصہ ۳ لاکھ۔ سیتا رام خزانچی ۲ لاکھ پچاس ہزار۔ سبحان رائے وکیل ۲ لاکھ ۵۰ ہزار۔ تونده رائے ۲ لاکھ ۶۰ ہزار متفرق ۴۰ لاکھ۔ میزان ۱۲ کروڑ ۳۸ لاکھ ۶۰ ہزار

دلی شہر کے بازار اسی قسم کے اُمراء کی ضروریات پُورا کرنے کیلئے لعل و جواہر اور انواع و اقسام کے سامان سے پٹے پڑے تھے۔ اور اسی قسم کے لوگوں کے محل اور حویلیوں کے نشانات اب تک دلی شہر میں کہیں کہیں باقی رہ گئے ہیں۔ ان امراء کے محل زیادہ تر تو لال قلعہ کے نیچے تھے جو سن ستاون کے انقلاب کے بعد زمین کے برابر کر دیئے گئے۔ لیکن پھر بھی شہر کے اور حصوں میں کہیں ایک بلند دروازہ باقی رہ گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی محل تھا اور کہیں کوئی حویلی ایک محلہ کی صورت میں تبدیل ہوگئی ہے۔ مگر اب تک اپنے قدیم مالک کے نام سے مشہور ہے۔ ایسے دروازے اور حویلیاں بھی اب خال خال رہ گئے ہیں یہ نشانیاں سلطنت مغلیہ کے آخری دور کی ہیں۔ اور ان نام نہاد حویلیوں اور دروازوں کے ناموں سے اُن امراء و وزرا کا پتہ چلتا ہے جو عہد محمد شاہ اور اسکے بعد یہاں بستے تھے۔ چاندنی چوک میں ایک دروازہ حیدر قلی خاں کی حویلی کہلاتا ہے اب کون جانتا ہے کہ یہ حیدر قلی خاں کون تھے۔ حالانکہ انہوں نے محمد شاہ کے زمانہ میں ایسا کام کیا تھا کہ جس سے ساری حکومت کا رنگ بدل گیا تھا۔ حیدر قلی خاں محمد شاہ کے میر آتش تھے۔ میر آتش اُس امیر کو کہتے تھے جو توپ خانے کا افسر اعلےٰ ہوتا تھا۔ اُس زمانے میں توپ خانہ وہی حیثیت رکھتا تھا جو آج کل بمباروں کی ہے۔ تیر و تلوار توپ و تفنگ کے مقابلے میں ہیچ تھے۔ چنانچہ جب بادشاہ گر سید بھائیوں امیر الامراء سید حسین اور سید عبداللہ قطب الملک کی زیادتیوں سے بادشاہ و امراء و رعایا سب تنگ آگئے تو ان کے استیصال کے مشورے ہونے لگے۔ مگر کسی میں سامنا کرنے کی جرات نہ پڑتی تھی۔ حتّٰی کہ نظام الملک آصف جاہ نے بھی دارالخلافہ چھوڑ کر اپنی نظامت دکن کی راہ لی۔ کیونکہ وہ تورانی امراء قدیم میں سے تھے اور اُن پر مخالفت کا شُبہ تھا۔ وہاں پہنچ کر نظام الملک علانیہ امیر الامراء سے برگشتہ ہوگیا۔ جس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ امیر الامراء نے نظام الملک کو لکھا کہ ہمارا ارادہ ہے کہ صوبہ ہائے دکن کے بندوبست کرنیکے لئے صوبہ مالوہ میں اقامت گزیں ہوں۔ تم چار صوبوں اکبرآباد۔ الٰہ آباد۔ برہان پور اور ملتان میں سے جہاں چاہو چلے جاؤ —

نظام الملک نے جواب میں چند کلمات تحریر کر کے یہ شعر عنوان میں درج کیا ؎

من ہیو فانیم بہ دغا میخورم قسم
من چون شما نیم کہ شما میخورم قسم

دونوں بھائی مطلب تاڑ گئے اور نظام الملک کے وکیل معتبر کو بلا کر کلمات

Taj Tahir Foundation

تند و تلخ اس کے آقا کے حق میں کہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی مشہور ہے کہ بادشاہ نے نظام الملک کو محمد امین کی معرفت کچھ کہلا بھیجا تھا۔ قصہ مختصر نظام الملک اور سادات میں جنگ شروع ہو گئی۔ اور امیر الامراء سید حسین۔ اپنے بھائی قطب الملک کو اپنا کام سپرد کر کے نظام الملک کو سزا دینے کے لئے دکن روانہ ہوا۔ اور بادشاہ کو بھی زبردستی اپنے ساتھ لیا۔ راستے میں ابھی فتح پور سے ۳۵ کوس پر مقام تھا کہ اعتماد الدولہ محمد امین خاں نے میر حیدر قلی خاں کاشغری کو جو قوم چغتا کا نہایت شجاع اور بے باک فرد تھا اور اس وقت میر شمشیر تھا گانٹھا۔ امیر الامراء بادشاہ کو محلسرا تک پہنچا کر واپس اپنے قیام گاہ پر جو ایک کوس تھا پالکی میں جا رہا تھا کہ حیدر قلی خاں نے ایک عرضی پیش کی اور پالکی کے ساتھ ساتھ عرض حال کرتا ہوا چلتا رہا۔ جب امیر الامراء عرضی کے پڑھنے میں مصروف ہوا تو حیدر قلی خاں نے پیش قبض سے زخم کاری لگایا۔ امیر الامراء نے قاتل کے لات ماری اور خود پالکی سے نیچے گر گیا۔ اور ختم ہو گیا۔ بادشاہ نے حیدر قلی خاں کے منصب میں اضافہ فرما کر ہفت ہزاری و ہشت ہزار سوار کیا اور میر آتش کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ اس کے بعد قطب الملک نے ایک شخص ابراہیم کو بادشاہ بنا کر محمد شاہ پر حملہ کر دیا۔ کئی دن تک جنگ کا میدان گرم رہا۔ توپ خانے میں حیدر قلی خاں کا اہتمام تھا۔ اس نے آتش باری کر کے ایسی آگ برسائی کہ دشمن پر عرصۂ نبرد تنگ ہو گیا۔ اس عرصہ میں چورامن جاٹ نے قطب الملک کی طرف سے عقب سے آکر بادشاہ کے خیموں کو لوٹ لیا۔ لشکر بادشاہی میں بدحواسی چھا گئی مگر حیدر قلی خاں، سعادت خاں اور محمد خاں بنگش نے خوب خوب تلوار کے ہاتھ دکھائے۔ قطب الملک حیدر قلی خاں کے مقابل آیا۔ اس کا بھائی نجم الدین علی خاں بھی اس کے ساتھ تھا۔ دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ قطب الملک کی پیشانی پر اور ہاتھ پر زخم لگا اور حیدر قلی خاں کے ہاتھ اسیر ہوا۔ حیدر قلی خاں نے بہ نہایت ادب و احترام سے ہاتھی پر سوار کر کے محمد شاہ کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ بہ نہایت رحمدل تھا۔ مہربانی سے پیش آیا اور حیدر قلی خاں سے کہا کہ یہ تمہارا قیدی ہے اس کے ساتھ جو سلوک چاہو کرو۔ قطب الملک کے ہوا خواہوں نے بادشاہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ اس وجہ سے قطب الملک کو قتل کرنا پڑا۔ حیدر قلی خاں کو گجرات کی صوبیداری مع امینی و دیوانی و فوجداری عطا ہوئی۔ اور معز الدولہ کے خطاب سے سرفراز فرمایا گیا۔ اسی جنگ میں شیر افگن خاں نے بھی داد شجاعت دی تھی جس کے صلہ میں اسے ملتان کی صوبیداری پائی اور عزت الدولہ کے خطاب سے مشرف ہوا۔ بلی ماران میں ایک محلہ بارہ دری شیر افگن خاں کے نام سے مشہور تھی۔ بارہ دری کے کھنڈر بھی باقی نہیں رہے شیر افگن خاں کی بارہ دری کے پاس ایک جگہ حویلی خان دوراں خاں کہلاتی ہے۔ خان دوراں خاں نام نہیں ہے بلکہ خطاب ہے اور مختلف زمانوں میں مختلف امراء کو ملتا رہا ہے۔ اس لئے یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ یہ حویلی کس خاص شخص کی تھی امیر الامراء یعنی وزیر اعظم کو بھی خان دوراں کا خطاب ملتا تھا۔ تو یہ ظاہر ہے کہ اس حویلی کا مالک اعلیٰ ترین امراء میں سے تھا اور اس کے کارنامے اس کے جلیل القدر عہدے کے لائق ہونگے۔ چاندنی چوک میں حویلی حیدر قلی خاں کے بالمقابل ایک محلہ گھاسی رام کا کوچہ کہلاتا ہے۔ گھاسی رام کے متعلق ایک دلچسپ روایت مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ شاہی نجومی تھا۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس بادشاہ کے زمانے میں۔ بہر حال بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن بادشاہ نے نجومی کو جھوٹا بنانے کے لئے اس سے پوچھا کہ اچھا اپنے علم کے زور سے بتاؤ کہ میں جو آج شکار کو جاؤنگا تو شہر کے کس دروازے سے نکلونگا۔ نجومی نے سوچا کہ اگر میں نے شہر کے کسی دروازے کا نام لے دیا تو بادشاہ عمداً ادھر سے نہ گزریگا۔ اور اگر نام نہ لیا تو بادشاہ اصرار کریگا کہ دروازے کا نام بتاؤ۔ اس لئے نجومی نے عرض کی کہ جہاں پناہ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنا جواب ایک کاغذ پر لکھدوں۔ جب جہاں پناہ شکار سے واپس آجاویں تب میرا جواب کھول کر پڑھا جاوے۔ بادشاہ راضی ہو گیا۔ نجومی نے کاغذ پر صرف یہ لکھدیا کہ بادشاہ ایک نئے دروازے سے جائیں گے۔ بادشاہ نے نجومی کو ہرانے کیلئے ایک نیا دروازہ نکلوایا اور اس میں سے گذرا۔ اس دروازے کا نام کھڑکی فراشخانہ مشہور ہوا۔ بادشاہ نے واپسی پر جب نجومی کا جواب پڑھا تو بہت حیران ہوا۔ اور نجومی کو ایک اراضی عطا کی۔ جہاں نجومی نے اپنی حویلی تعمیر کرائی جہاں اب ایک کوچہ بن گیا ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو محققین کی رائے ہے کہ یہ واقعہ شاہجہاں بادشاہ کے زمانے ہی میں ہوا ہوگا۔ کیونکہ کھڑکی فراش خانہ کی تعمیر عہد شاہجہاں میں واقع ہوئی ہے۔

گھاسی رام کے کوچے سے فتحپوری مسجد کی طرف جاتے ہوئے کھاری باولی کو مڑتے ہوئے نکڑ پر ایک شاندار عمارت ہے جس میں اب ہوٹل ہے اس عمارت کے دو دروازے تھے۔ ایک چاندنی چوک کی طرف کھلتا تھا۔ اور دوسرا کھاری باؤلی کے سامنے۔ اس حویلی کے دو حصے تھے۔ ایک کچہری منشی بھوانی شنکر کے نام سے مشہور تھا۔ دوسرا حصہ حویلی بھوانی شنکر کہلاتا تھا۔ بھوانی شنکر ذات کا کھتری تھا۔ اور ریاست گوالیار میں بخشی کے عہدے پر ممتاز تھا۔ جب مرہٹوں نے دلی پر قبضہ کیا اس زمانے میں بھوانی شنکر مہاراج سیندھیا کی طرف سے دربار دلی میں وکیل تھا۔ لیکن اس نے سیندھیا کے خلاف انگریزوں سے ساز باز کر لی گوالیار سے علیحدہ ہو گیا۔ انگریزوں نے اس کو پنشن دیدی جو نسلاً بعد نسلٍ اسکی اولاد کو ملتی رہی۔ لیکن اس کی یہ حرکت پبلک کو پسند نہ آئی اور وہ نمک حرام

Taj Tahir Foundation

اسکے نام سے مشہور ہوگیا۔ چنانچہ اس کی حویلی بھی نمک حرام کی حویلی کہلانے لگی۔ انگریزوں کا اس وقت شہر پر قبضہ ہو چکا تھا۔ بھوانی شنکر نے رزیڈنٹ سے شکایت کی کہ شہر والے مجھے بدنام کرتے ہیں۔ رزیڈنٹ نے نام نہاد بادشاہ کو لکھا۔ چنانچہ شہر میں ڈھنڈورا پٹوایا گیا کہ کوئی شخص بھوانی شنکر کو نمک حرام نہ کہے۔ نہ اس کے مکان کو نمک حرام کی حویلی کہے۔ لیکن اس کا اثر اور اُلٹا ہوا اور اب سے چند سال پہلے تک لوگ اس عمارت کو نمک حرام کی حویلی کہتے رہے۔ اگرچہ اُن کو بھوانی شنکر کا حال بھی معلوم نہ ہو۔

نمک حرام کی حویلی سے آگے بڑھکر کھاری باؤلی میں ایک دروازہ **حا بش خاں کا پھاٹک** کہلاتا ہے۔ نہ معلوم کسی زمانے میں اس کے اندر بھی کوئی محل یا حویلی ہو۔ گو ایک حویلی کا دروازہ اب بھی اس میں کھلتا ہے۔ جو نواب وزیر کی حویلی کہلاتی ہے۔ اور نواب وزیر کی بارہ دری بھی اسی محلہ میں واقع ہے۔ حبش خاں کا نام شیدی مفتاح تھا۔ یہ شخص احمد نگر کے نظام شاہی خاندان کا غلام تھا۔ رفتہ رفتہ قلعہ اُدگیر کا قلعدار ہوگیا۔ اور جب وقت شاہجہاں نے اس قلعہ کا محاصرہ کیا تو شیدی مفتاح نے قلعہ کی کنجیاں اُس کے حوالے کر دیں۔ اور اُس کے صلہ میں شاہجہاں نے اسکو منصب سہ ہزاری اور پندرہ سو سوار سے سرفراز کر کے زمرۂ امراء میں شامل کیا۔ کہتے ہیں کہ حبش خاں کی نسل میں سے ایک شخص فولاد خاں گذرا ہے۔ جو محمد شاہ کے زمانے میں دلّی کا کوتوال تھا اور وہ بھی غالباً پھاٹک حبش خاں ہی میں رہتا تھا۔

اِس پھاٹک کے اندر ایک حویلی کا عالیشان دروازہ ہے اُس کے اندر جو محلہ ہے وہ گلی تیلیان کہلاتا ہے۔ کیونکہ وہاں تیلیوں کی دکان ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پھاٹک حویلی نواب وزیر کا دروازہ ہے۔ اسی حویلی کا دوسرا دروازہ نہر سعادت خاں پر کھلتا ہے اور اس کو پھاٹک نہر سعادت خاں کہا جاتا ہے ان دونوں پھاٹکوں کے بیچ میں ایک تنگ بازار اور بہت سے مکانات بنے ہوئے ہیں بشر فاغ بایہ حویلی کبھی نصیلوں سے شروع ہو کر کمپنی باغ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اب اس قطعہ میں سینکڑوں مکانات، ایک بزازے کی منڈی اور گرجا گھر بن گئے ہیں۔ قدیم زمانے میں اسکی کیا صورت تھی اس کا پتہ لگنا مشکل ہے۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ اس قطعہ میں ایک سے زیادہ عالیشان حویلیاں یا محل تھے۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ یہ حویلی کس کی تھی۔ حبش خاں کی تو نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ چھوٹے درجہ کا امیر تھا اور کبھی نواب وزیر اودھ نہیں ہوا۔ اب نواب وزیر اودھ کا سوال رہا کہ یہ کون تھا۔ میرے دوست مولوی ظفر حسن صاحب سابق مہتمم محکمہ آثار قدیمہ لکھتے ہیں کہ اس حویلی کی نسبت عام شہرت یہ ہے کہ نواب اودھ نے یہ حویلی کسی گویّے کو بخش دی تھی۔ مگر پہلے نواب وزیر اودھ ابو المنصور صفدر جنگ تھے جو وزیر کی حیثیت سے دلّی میں قیام فرماتے تھے۔ اِس لئے اغلب یہی ہے کہ یہ صفدر جنگ کی حویلی ہو۔ اور نہر سعادت خاں کی نسبت وہ تحریر فرماتے ہیں کہ "اس کا اصلی نام فیض نہر ہے اور جب شہاب الدین گورنر دلّی نے ۱۵۶۱ء میں اس کی مرمت کی تو اس کا نام نہر شہاب ہو گیا۔ شاید نہر شہاب بگڑ کر نہر سعادت خاں بن گیا ہو" مولوی صاحب موصوف کا یہ خیال بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حویلی نواب وزیر کا ایک دروازہ اس نہر پر واقع ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ چونکہ سعادت علی خاں برہان الملک صوبہ دار اودھ اس حویلی میں قیام پذیر ہوں اس وجہ سے نہر کا نام نہر سعادت خاں پڑ گیا ہو۔ اور اُن کے بعد اُن کے جانشین اور داماد و خواہر زادے ابو المنصور صفدر جنگ اس میں مقیم ہوئے ہوں۔ مگر صفدر جنگ کے متعلق مصنّف مرات السلاطین جس نے سیر المتاخرین کا ترجمہ کیا ہے صفدر جنگ کے شاہجہان آباد بلائے جانے کا مفصّل حال لکھتا ہے کہ کس طرح سیاسی مصلحت سے امیر الامراء قمر الدین خاں اور اعتماد الدولہ نے صفدر جنگ کو راضی کیا اور شاہانہ اعزاز و احترام سے دار الخلافہ میں اس کا استقبال کیا۔ چنانچہ مصنف مذکور کے الفاظ ہیں کہ "صفدر جنگ بڑے کرّ و فر سے سوار ہو کر شام کو مستفیض کورنش ہو کر داخل حویلی داراشکوہ ہوا۔ جو کہ برہان الملک کے عہد سے حسب عنایت بادشاہ اپنے قبضہ میں رکھتا تھا۔" یہ واقعہ ۲۶ سنہ جلوس محمد شاہی کا ہے اور مصنّف سیر المتاخرین مع اپنے والد کے اس موقعہ پر صفدر جنگ کے ہمرکاب تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حویلی داراشکوہ اس وقت کون سی عمارت کہلاتی تھی۔ حویلی نواب وزیر کا ایک حصّہ **رنگ محل** بھی کہلاتا ہے۔ یہ حویلی کابلی دروازے کے پاس ہے اور کسی زمانے میں نہایت وسیع اور شاندار ہوگی۔ اور کچھ عجب نہیں کہ حویلی داراشکوہ یہی عمارت ہو۔ اور چونکہ یہ برہان الملک کے عہد سے نواب اودھ کے پاس تھی اس لئے ممکن ہے کہ اس کا نام کسی زمانے میں حویلی سعادت خاں بھی پڑ گیا ہو اور اس کے نام پر سامنے کی نہر بھی نہر سعادت خاں کہلائی جانے لگی ہو۔ بہرحال یہ معاملہ تحقیق طلب ہے۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس حویلی میں اب معمولی حیثیت کے لوگوں نے اپنے چھوٹے چھوٹے مکان بنا لئے ہیں اور جہاں اب تیلیوں کے میلے کچیلے مکان اور کارخانہ ہے وہاں وہ لوگ رہتے تھے جن کے دوش پر ہندستان بھر کی حکومت کا بار گراں تھا۔ اور جنہوں نے بابر کی اولاد کے دشمنوں کے مقابلہ میں اپنی جانبازی و شجاعت کی داد دیکر اپنی وفاداری اور سرفروشی کا سکّہ جما دیا تھا۔ اور جنہوں نے رزم کے بعد بزم کی بھی ایسی ایسی محفلیں گرم کی تھیں کہ گویا اُن میں سے ہر ایک بابر کے ہمزبان "بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کا نعرہ لگا رہا ہے۔ برہان الملک

سعادت علی خاں اور ابو المنصور صفدر جنگ نے اُس زمانے کی تاریخ میں اتنا زیادہ حصہ لیا ہے کہ ان کے حالات لکھنے سے ایک کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اتنا کہنا کافی ہے کہ سعادت خاں برہان الملک نے مرہٹوں کے خلاف جنگ کر کے پایۂ تخت کو مرہٹہ گردی سے بچایا اور پھر نادر شاہ کے مقابلہ میں کرنال کی جنگ میں امیر الامراء کی مدد کو پہنچ کر غیر معمولی مردانگی و دلیری کا ثبوت دیا۔ سعادت خاں کی وفات پر صفدر جنگ اس کا جانشین ہوا۔ احمد شاہ کی تخت نشینی پر نظام الملک آصف جاہ کی وفات کے بعد ابو المنصور کو خلعت وزارت عطا ہوا اور جملۃ الملک، مدار المہام وزیر الممالک برہان الملک المنصور خاں بہادر صفدر جنگ سپہ سالار کے خطاب سے سرفراز فرمایا گیا۔ علی محمد خاں رُہیلے نے جو بنگش کے پٹھانوں کا سردار بن گیا تھا رہیلکھنڈ پر قبضہ کر لیا تھا صفدر جنگ اسکو پسند نہ کرتا تھا۔ اس لئے علی محمد خاں کے مرنے کے بعد پہلے قائم خاں والئی فرخ آباد کو بنگش کے بیٹے سعد اللہ خاں سے بھڑوا دیا جب قائم خاں اس جنگ میں مارا گیا تو صفدر جنگ نے رہیلکھنڈ پر حملہ کر دیا۔ محمد علی خان بنگش کی بیوی نے ۵۴ لاکھ روپے دیکر صلح کر لی۔ مگر اُس کو نظر بند کر لیا گیا اور اسکے پانچ بیٹوں کو دلی لا کر قتل کر دیا گیا صرف ایک احمد خاں بچ گیا جسکی لڑائی صفدر جنگ کے نائب نول رائے سے ہوئی۔ نول رائے مارا گیا۔ اور احمد خاں کی فتح ہوئی۔ اس سلسلے میں سوئی والوں کے پاس جو **بنگش کا کمرہ** ہے اس کا حوالہ غیر ضروری نہ ہوگا یہ اسی خاندان کا جائے قیام تھا۔ ان کی جاں نثار فوج کے فرد چیلے کہلاتے تھے چنانچہ بنگش کے کمرے کے پاس **چیلوں کا کوچہ** ہے۔ جہاں کبھی بنگش کے باڈی گارڈ رہتے ہونگے۔ صفدر جنگ نے ابدالی کے حملہ کے وقت بھی بادشاہ کی مدد کی۔ مگر بعد میں احمد شاہ صفدر جنگ سے ناراض ہوگیا اور عہدۂ وزارت انتظام الدولہ ولد قمر الدین خاں کے سپرد کیا۔ صفدر جنگ نے ایک نامعلوم شخص کو تخت کا دعویدار کر کے احمد شاہ سے جنگ کی۔ مگر جانبین جب لڑتے لڑتے تھک گئے تو صلح ہوگئی اور صفدر جنگ کو صوبہ اودھ اور الہ آباد پر بحال کر دیا گیا۔ اپنے صوبہ میں پہنچنے کے تھوڑے عرصہ بعد بمرض سرطان راہی ملک بقا ہوا۔

قاضی کے حوض سے اجمیری دروازے کی طرف جاتے ہوئے دائیں ہاتھ کو جہاں اب تانگوں کا اڈہ اور ڈاک خانہ ہے۔ پہلے ایک ٹوٹا پھوٹا دروازہ تھا اس کے اندر ایک محلہ تھا جسے **رجنا بیگم کی حویلی** کہتے تھے۔ اس کے مقابل سڑک کے دوسری طرف بھی ایک پھاٹک تھا جہاں اب سنیما ہے۔ یہ پھاٹک **فتح النساء بیگم کی حویلی** کا تھا۔ اجمیری دروازے کی طرف چلتے ہوئے ذرا آگے بڑھکر دائیں ہاتھ کو **شاہ تارا کی گلی** آتی ہے یہاں شاہ تارا بیگم کا محل تھا۔ یہ حویلیاں وزیر الممالک نواب قمر الدین خاں کی تین بیٹیوں کی تھیں۔ رجنا بیگم کا اصلی نام رضیہ بیگم تھا۔ ان کی پشت پر ان حویلیوں سے ملحق نواب قمر الدین خاں کی حویلی تھی۔ اور ان سب حویلیوں کو زمین دوز سرنگیں ملاتی تھیں۔ نواب قمر الدین خاں کی حویلی ایک زمانہ گذرنے پر بدل بیگ خاں نے لے لی۔ بدل بیگ خاں شاہ عالم ثانی کے زمانے میں سمرقند سے آئے تھے اور نواب امیر الامراء نجف خاں کی فوج میں رسالدار تھے۔ ترکی جنگ کہلاتے تھے۔ اسی حویلی کے متصل ایک اور حویلی ہے جس کے دروازے کے متصل اب ایک سنیما تعمیر ہو گیا ہے۔ یہ حویلی **حکیم احسن اللہ خاں کی محلسرائے** کہلاتی تھی۔ اب نواب ابوالحسن خاں کے تصرف میں ہے۔ حکیم احسن اللہ خاں کے بزرگ ہرات سے ہندستان آئے تھے کیونکہ وہاں کے گورنر سے اُن کی اَن بَن ہو گئی تھی۔ طبابت خاندانی پیشہ نہ تھا۔ صرف ان کے والد نے ضرورتاً اختیار کیا تھا۔ حکیم صاحب موصوف اکبر شاہ ثانی کے طبیب تھے اور ان کو عمدۃ الملک و حاذق الزماں کا خطاب تھا بہادر شاہ ثانی نے اُن کی مزید عزت افزائی کی اور احترام الدولہ ثابت جنگ کے خطاب کا اضافہ کیا۔ ابتدا میں یہ حویلی اور بدل بیگ خاں کی حویلی دونوں نواب قمر الدین خاں کی حویلی میں شامل تھیں۔ نواب موصوف اپنی حویلیوں کے لئے جگہ گھیرنے میں اور پڑوس کے غریبوں کی زمین حاصل کر لینے کی وجہ سے بہت بدنام ہو گئے تھے۔ ان حویلیوں کا سلسلہ سرکی والان اور قاضی کے حوض سے لیکر اجمیری دروازے تک پھیلا ہوا تھا۔ وزیر الممالک اعتماد الدولہ قمر الدین خاں بہادر نصرت جنگ کے والد اعتماد الدولہ محمد امین خاں تھے اور ان کے دادا میر جملہ تھے۔ میر جملہ کا نام تاریخ ہند میں مشہور ہے۔ دکن کی سلطنتوں میں انہوں نے عروج پایا اور پھر اورنگ زیب کی رفاقت میں بہت کارنمایاں کئے۔ محمد امین خاں کو اورنگ زیب نے دکن کی صوبہ داری کے زمانے میں اپنا وکیل مقرر کر کے شاہجہاں آباد بھیجا تھا۔ فرخ سیر کے زمانہ میں قطب الملک کی مہربانی سے ہفت ہزاری ہوا۔ اور سید برادران کے خاتمے کے بعد محمد شاہ نے ان کو امیر الامراء کے عہدہ پر ممتاز کر دیا۔ قمر الدین خاں باپ کی زندگی میں بخشی سوم و داروغہ غسل خانہ تھا۔ آصف جاہ کے استعفیٰ دینے پر وزیر بنایا گیا۔ احمد شاہ ابدالی کی جنگ میں بمقام سرہند بندوق کا نشانہ بنا۔

حکیم احسن اللہ خاں کی حویلی کے سامنے ایک پھاٹک ہے جس پر **حویلی عبدالرحمٰن خاں** کندہ ہے۔ یہ عبدالرحمٰن خاں بہادر شاہ ثانی کو قرآن شریف پڑھانے پر ملازم ہوئے تھے۔ مشہور شاعر تھے۔ احسان تخلص کرتے تھے۔ لال کنوئیں کی طرف بڑھتے ہوئے اس حویلی سے ذرا آگے **لال دروازہ**

ہے۔ اس دروازے کے اندر مرزا مغل بیگ خاں کی حویلی تھی جو بہادر شاہ ثانی کے خاص مقربین میں سے تھے۔ لال کنوئیں سے آگے بڑھکر ایک عمارت ہے جو زینت محل کہلاتی ہے۔ یہ عمارت بہت پرانی نہیں ہے۔ یہ بہادر شاہ ثانی نے جن کا تخلص ظفر تھا اپنی چہیتی بیوی زینت محل کے لئے ۱۸۴۶ء میں بنوائی تھی اس کی یہ تاریخ خود بادشاہ نے کہی تھی جو اب تک دروازے پر کندہ ہے۔

کردہ ظفر زینت محل تعمیر قصر بے بدل
شد بے محل سال بنا این خانۂ زینت محل

زینت محل نے بہادر شاہ کے زمانے کی سیاسیات میں معتدبہ حصہ لیا تھا۔

آخر میں ایک حویلی تاریخی اعتبار سے اور قابل ذکر ہے۔ جامع مسجد سے سوئی والوں جاتے ہوئے ایک دروازہ ہے جو اعظم خاں کی حویلی کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے اندر ایک جگہ بارہ دری اعظم خاں اور دوسری حوض نواب اعظم خاں کہلاتے ہیں۔ اعظم خاں عمدۃ الملک نواب امیر خاں کا بیٹا تھا ان کے مورث اعلےٰ میر میراں کے لقب سے مشہور تھے۔ شاہ عباس کے عہد میں ایران چھوڑ کر یہ ہند میں آئے۔ جہانگیر کے عہد سے اس خاندان میں دولت و امارت اخیر وقت تک قائم رہی۔ عمدۃ الملک کا باپ عالمگیر کے زمانے میں کابل کا صوبہ دار تھا۔ عمدۃ الملک کی نواب قمر الدین خاں اور نواب آصف جاہ سے سخت رقابت تھی ۱۷۴۶ء میں ایک شخص نے قتل کر دیا۔ مصنف سیر المتاخرین لکھتے ہیں کہ یہ شخص اپنے عہد میں بے نظیر تھا۔ شجاعت و سخاوت، فہم و فراست و ادراک میں بے مثل تھا۔ علماء عظام و مشائخ ایک طرف اور سپاہی و شاعر و گویے سب ہی اس کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ شعر ہندی و فارسی میں خوب لکھتا تھا۔ بذلہ سنجی و نکتہ گوئی میں اپنا مثل نہ رکھتا تھا۔ ان کے بیٹے نواب اعظم خاں نے سیاسیات میں بالکل حصہ نہیں لیا ساری عمر عیش کوشی میں گزاری۔ ان کا گھر صحیح معنوں میں عشرت کدہ تھا۔ جہاں دن رات عیش و عشرت کا سماں رہتا تھا۔ سارے شہر کے حسینان پری تمثال اور ماہرویان بے مثال یہاں جمع رہتے تھے اور صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک عشاق بھی پروانہ وار ان پر نثار ہوتے رہتے تھے۔ نواب اعظم خاں بھی اپنے باپ کی طرح ہمہ صفت موصوف تھا۔ سخاوت و مہمان نوازی میں اپنے زمانے کا حاتم تھا۔ غرضکہ اللہ کے بندے نے ساری عمر اسی طرح عیش و آرام سے گزاری۔ نواب اعظم خاں کا مفصل حال مرقع دہلی میں درج ہے۔ اعظم خاں کی وہ بارہ جو کبھی اندر کا اکھاڑہ بنی رہتی تھی اب چھوٹے چھوٹے مکانوں پر تقسیم ہو گئی ہے اور ایک جوتے والے کی ملکیت ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

مشعلِ راہ میری نظر میں

(جوش ملیح آبادی)

نخشب جارچوی ایک خوش طبع اور خوش فکر نوجوان ہیں۔ انکی شاعری بھی ان کی طرح جوان ہے۔ ان کے بیان میں تازگی اور لہجے میں شیرینی کا عنصر بہت خوبی کے ساتھ سمویا ہوا ہے۔ انکی عشقیہ شاعری سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر غزل گویوں کی طرح انکا عشق روایتی اور ان کا محبوب موروثی نہیں۔ بلکہ یہ اس وادی سے گزرے اور اسکے طوفان سے خود کھیلے ہیں۔ یہی حال انکی مناظر پرستی کا ہے۔ انہوں نے گھر کی چار دیواری میں بیٹھکر باغوں، جنگلوں اور کہساروں پر خامہ فرسائی نہیں کی ہے بلکہ کھلی ہوا میں سیر کر کے حسن قدرت کا مطالعہ کیا ہے۔ جس کے ابھرے ہوئے نقوش نظروں کو ٹھیر کر دماغ کو متوجہ کر لیتے ہیں۔ انکی شاعری ان کے ذہنی ارتقا اور بلوغ کی گواہی دے رہی ہے اور ایسی پاکیزہ و صالح علامت پر میں انہیں مبارکباد دیتا ہوں۔

قیمت مجلد تین روپے آٹھ آنے

شائع کردہ:-

نگارستان ایجنسی۔ اردو بازار۔ دہلی

Taj Tahir Foundation

پنڈت جواہر لال نہرو

(از فصیح الدین احمد)

پنڈت جواہر لال نہرو کی خود نوشت سوانح عمری نے اُن کے حالات اور واقعات زندگی کو کافی سہل بنا دیا ہے۔ اس لئے جو شخص ان کے حالات زندگی لکھنے کا قصد کرتا ہے وہ قدرتاً اُن کی سوانح عمری پر بیشتر انحصار کرتا ہے

اُن کی خود نوشتہ سوانح عمری بہت کامیاب اور بہت مقبول ثابت ہوئی ہے۔ یہ کتاب لندن میں سنہ ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی اور اُسی سال اگست تک اس کے آٹھ ایڈیشن شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ بک گئے۔ یہ ابتدائی فروخت انگلستان میں ہوئی اور وہیں اُن کی سوانح عمری نے شہرت حاصل کی۔ بعد میں ہندستان میں بھی یہ کتاب بڑی کثرت سے فروخت ہوئی۔ اب بھی برابر یہ کتاب مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر برابر بک رہی ہے۔ اس کتاب کی اتنی مقبولیت کی دو وجوہات ہیں اول تو نہایت صفائی کے ساتھ تمام واقعات کا بے کم و کاست بیان کرنا اور دوم کہانی کے فن پر اچھی طرح قابو میں رکھنا۔ اُن کو بڑی سہولیت یہ تھی کہ کالج اور یونیورسٹیوں کے طلباء کے سامنے وہ اپنی زبان میں بڑی فصاحت کے ساتھ اُن کی اپنی تشبیہوں اور استعاروں میں لیکچر دیتے تھے۔ پنڈت جی کی تحریر بھی اُنکے ناظرین کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہوتی تھی۔ اُنہوں نے انگریزوں کو وہ سب ان کی اپنی زبان میں نہایت فصاحت کے ساتھ بتا دیا جو وہ ہندستان کے متعلق معلوم کرنا چاہتے تھے اُن کے انکشافات سے اہل انگلستان کو معلوم ہو گیا کہ ہندستان صرف ایک سادھوؤں اور صوفیوں ہی کا مُلک نہ تھا بلکہ یہاں بھی اُن ہی جیسے انسان صفت آدمی آباد تھے۔ اور جن کے پیٹ کو روٹی، تن کو کپڑے کی ضرورت لاحق تھی۔

ایک انگریز سول سروس کا آدمی جب پہلی بار انگلستان سے ہندستان آ رہا تھا تو اُس نے اُن کی کتاب سوانح عمری پڑھنے کے بعد جو رائے ظاہر کی وہ یہ تھی کہ "جواہر لال وہ شخص ہیں جن کو ہم سمجھ سکتے ہیں۔ وہ بھی ہمیں جیسا انسان ہے اور ہماری اپنی زبان میں ہم سے باتیں کرتا ہے۔"

غالباً اِس کتاب سے جو تبدیلی مغربی دنیا میں ہندستان کے نظریہ کے مطابق پیدا ہوئی وہ ہندستان کی سالہا سال کی سیاسی جدوجہد سے بھی پیدا نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن اس کتاب کی اشاعت کے کچھ ہی عرصہ بعد یورپ میں بربادی کی جو لہر دوڑ گئی تھی اُس کے ہوتے ہوئے کسی اچھے سے اچھے انگریز سے بھی یہ توقع نہ ہو سکتی تھی کہ وہ بجز اس کے کہ اس وقت ہمیں ہندستان کے معاملات پر غور کرنے کی فرصت نہیں اور کچھ نہ کہہ سکے گا۔ لیکن بالآخر ہندستان کا معاملہ اپنی پوری اہمیت کے ساتھ پھر انگریزوں کے سامنے آئے گا۔

ہمیں اس بات کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے کہ پنڈت جی نے اپنی سوانح عمری میں جو تصاویر شائع کی ہیں وہ بھی اس کے ناظرین کے لئے مفید معلومات سے لبریز ہیں۔ مثلاً اُن کے والد پنڈت موتی لال نہرو آنجہانی کی تصویر۔ جو اپنے لمبے کھادی کے کُرتے میں کسی رومن امپرر کی شبیہہ معلوم ہوتے ہیں۔ خود اُن کی اپنی تصویر جس میں اُن کے اپنے کشمیری خد و خال نہایت صفائی اور ستھرائی کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ اُن کی والدہ، بیوی اور بہن کی تصویریں جن میں صنفی نزاکت کے ساتھ ساتھ خُلق، انکساری اور اولوالعزمی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ یہ سب تصویریں مل جل کر بجائے خود ایک کہانی بن جاتی ہیں۔ ہر انگریز جس نے ان کی کتاب کو پڑھا ہے وہ اپنے دل میں ضرور اس بات پر پشیمان ہوتا ہے کہ اس قسم کے آدمیوں کو بھی اپنے اظہار خیالات کی پاداش میں جیل جانا پڑا ہے۔ اس لئے ان تصویروں میں ایک درد بھری کہانی پوشیدہ ہے۔ اور یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ ہندستان کے حالات خوشگوار نہیں ہیں۔ ان حالات نے انگلستان کی عورتوں پر جنہوں نے ابھی حال ہی میں کافی جدوجہد کے بعد اپنے سیاسی حقوق حاصل کئے تھے کافی اثر ڈالا ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو کے ایک سخت مخالف نے جو یو، پی کا ایک بہت بڑا ذمہ دار آفیسر تھا اُن کے متعلق یہ بات کہی کہ "نوجوان نہرو کے بالشویک اور سوشلسٹ اصولوں کے متعلق ہماری رائے کچھ بھی کیوں نہ ہو لیکن بحیثیت چیرمین الہ آباد میونسپلٹی جس عمدہ انتظامی قابلیت کا اُنہوں نے ثبوت دیا ہے وہ قابل صد تحسین ہے۔" ان کی عملی قابلیت کا سکہ اُن کے مخالفین کے دلوں پر بھی بیٹھ گیا تھا۔ نیز وہ لوگ اُن کی صاف گوئی اور نیک باطنی کے بھی مداح ہیں جس کی بدولت یہ اپنی یا دوسروں کی خامیوں کا اعتراف کرنے میں کبھی پس و پیش نہیں کرتے۔ اُن کی خصوصیت ہر جگہ سراہی جاتی ہے۔

اپنے ہم وطنوں میں اُن کے جاں نثاروں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ چکی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مہاتما گاندھی کے بعد جواہر لال نہرو کو معتقدانہ انداز سے دیکھتے ہیں۔ اُن کی انتہائی دیانت داری نے اُن کو ہر جگہ ہر دلعزیز بنا دیا ہے لیکن یہ امر بھی واضح رہے کہ اُن میں عوام کے ساتھ مصیبتیں جھیلنے کا جذبہ ہر وقت

Taj Tahir Foundation